پروفیسر محمد حنیف

سعودی صحافت میں ادب کا کردار

ادب، علمی و ثقافتی ترقی اور فکری پختگی کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ سعودی عہد میں بھی ادب تعلیم کی نشوونما کے ساتھ پھلا پھولا ہے۔

سعودی عہد سے پہلے اس خطۂ زمین میں تعلیم کا دائرہ بہت محدود تھا۔ عثمانی عہد کے آخری دنوں میں ایک "مدرسہ اعدادیہ" اور ایک "دار المعلمین العلیا" کی بنیاد رکھی گئی اور ان کے فارغ التحصیل لوگوں کو شام وغیرہ بھیجا گیا۔ بہت ہی قلیل تعداد استنبول اور یورپ بھی گئی۔ مگر ایک تو یہ دور بہت مختصر تھا، دوسرے ذریعۂ تعلیم ترکی زبان تھی۔ مگر سعودی عہد میں حکومت نے تعلیمی امور میں بہت دلچسپی لی اور ملک کے طول و عرض میں مدرسوں کا بچھا دیا۔ فارغ التحصیل افراد کو مشرق و مغرب کی دوسری یونیورسٹیوں میں بھی حصولِ علم کی خاطر بھیجنے کا بندوبست کیا جانے لگا اور ملک کے اندر اعلیٰ معیار کی درس گاہیں اور یونیورسٹیاں قائم کرنے کا اہتمام بھی کیا گیا۔ اس طرح علمی ترقی کی راہ ہموار کی گئی اور مملکت سعودیہ میں آج جو ادیبوں کی مجلس موجود ہے یہ اسی علمی ترقی کا ثمر ہے۔ علمی ترقی کے ساتھ ساتھ یہاں ادب کے ایک نئے دور کا بھی آغاز ہوا۔

سعودی عرب کی ادبی تالیفات کے سلسلے کی پہلی تالیف "ادباء الحجاز" ہے۔ اس کے مصنف الشیخ محمد سرور الصبان ہیں۔ یہ کتاب ۵ شوال ۱۳۴۴ھ کو شائع ہوئی۔ اس میں پندرہ ادیبوں اور شاعروں کے نثری اور شعری نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ مقدمے میں جو معلومات درج ہیں، ان کا کچھ حصہ مطالعہ کے لیے پیشِ خدمت ہے تاکہ اس زمانے کی ادبی زندگی سے کچھ واقفیت حاصل ہو سکے۔ مؤلف لکھتا ہے:

"میں اپنے معزز قاری کے لیے موجودہ عہدِ حجازی کے ادب کا ایک مختصر جائزہ پیش کر رہا ہوں جو شعر و نثر دونوں اقسام پر محیط ہے۔ یہ کام اس علاقے کی ادبی تاریخ میں پہلی دفعہ سرانجام دیا جا رہا ہے کیوں کہ بدقسمتی سے ایک طویل عرصے تک ادب کی یہ حالت رہی ہے کہ وہ لوگوں کے لیے اجنبی اور پست درجے کی لغویات سے بھرا ہوتا ہے۔ صحت مندانہ ادبی علوم کو وہ فضول خیال کرتے تھے۔ جہاں تک شاعری، اس کی روایت اور ادبی کتب کے مطالعہ کا تعلق ہے، اس کی طرف

وہ بہت کم توجہ دیتے تھے۔ حصولِ علم کے لیے ایسے مراکز موجود نہیں تھے جہاں طالب علم اپنی ادبی پیاس بجھا سکے۔ صرف پرائمری سکولوں کی ایک محدود تعداد تھی اور کچھ چھوٹے چھوٹے قرآنی تعلیم کے مدارس تھے، جہاں طلبا کو بہت معمولی تعلیم دی جاتی تھی۔ مسجد الحرام میں بھی تعلیم کا کم ہی انتظام تھا۔ اس ماحول میں نوجوان نسل نے تربیت پائی اور اسی نہج پر ہمارے آبا و اجداد گامزن رہے۔ میں شعر اور نثر کا یہ مجموعہ پیش کر رہا ہوں جس میں آج کی نوجوان نسل کے ذہن کا احاطہ کیا گیا ہے۔ میں ایک ایسا شاعر ہوں جس میں کچھ خامیاں ہیں اور جس کے مجموعے کی قیمت ادب کے بازار میں ممکن ہے، بہت کم ہو، بلکہ ہو سکتا ہے یہ مجموعہ تضحیک کا نشانہ بن جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے کچھ لوگوں کی محبت اور قدر افزائی حاصل ہو۔ میں نے شعر و صفی سے عمداً احتراز کیا ہے (کہ جس سے مراد فطری مناظر کی تصویر کشی ہے) اور ان باتوں سے بھی اجتناب کیا ہے جو نوجوانوں کو فضول اور غیر اخلاقی حرکتوں کے ارتکاب پر اکساتی ہیں۔

مؤلف نے اس مقدمے کو ابھرتے ہوئے حجازی ادب کا صفحۂ اولیٰ قرار دیا ہے۔ جو شعری قطعات اس کتاب میں درج ہیں، ان میں سے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔ اس سے ملک میں صحافت کے وجود میں آنے سے پہلے کے ادب اور اس کی نشر و اشاعت کے بارے میں اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

الاستاذ محمد صبحی کہتے ہیں۔ اردو ترجمہ

ملامت و شکوہ اگر پیاس بجھا سکتے تو کتنے قابلِ برداشت اور شیریں ہوتے۔

رنج و الم اگر غموں سے نجات اور بیماریوں سے شفا دلا سکیں تو کتنی پیار کی بات ہوتی۔

امید و تمنا اگر خوابوں کی تعبیر بن سکیں تو کتنی قابلِ قدر ہوں۔

اگر آج تلواروں کو تیز نہیں کیا گیا تو سمجھو سب حق جاتا رہا۔

اس لیے کہ اس زمین پر کسی کمزور کا کوئی حق نہیں۔ حق تو طاقت ور کا ہے اور مستقل حق ہے۔

اے اہلِ اسلام اب بات تو واضح ہو چکی ہے اس لیے لڑائی جھگڑے بند کرو۔

اور اتحاد کی رسی پکڑو، حق کی طرف بلانے والے کی پکار پر لبیک کہو اور اسلام کے دامن گیر ہو جاؤ۔

۲۔ شاعر الشیخ عمر عرب کے اشعار کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اے سرزمین مشرق کہا تیرے قوا مضمحل ہو گئے اور مصائب نے تجھے نڈھال کر دیا ہے۔

(اے ساکنِ ارضِ مشرق) کیا تو جنگ کے مقابلے میں بزدلی کا شکار ہو گیا ہے اور مصائب نے تجھے ہلکان کر دیا ہے۔

کل تک تو برسرِ پیکار تھا اور دشمنوں کے سر پا شہادت تیرا مقصود تھا۔

تو بلندیوں کی طرف رواں دواں تھا۔ زمانے سے نبرد آزمائی سے تو نہیں ڈرتا تھا۔
تو پھر جد و جہد کا شوق رکھنے کے بعد تمھیں یہ کیا ہو گیا ہے۔
کیا جد و جہد کی خاردار راہوں سے تم اس قدر گھبرا گئے ہو کہ اس کے خیال سے بھی خوف زدہ ہو گئے ہو۔
تم تو میدانِ کارزار کے شاہ سوار تھے، پھر آخر تمھیں کیا ہو گیا ہے۔
کیا تمھاری راتیں جنگ کی سختیوں کے شکاف میں بسر ہوتی ہیں اور تم کسی مصیبت کے تصور سے بھی دور بھاگنے لگے ہو۔

الشیخ محمد سرور الصبان کے قطعات کا ترجمہ :

(جب) رنج و الم بڑھ گئے، میں مسلسل آہیں بھرنے لگا اور بڑھاپے نے آلیا تو میں نے سمجھ لیا کہ دنیا سے کوچ کا وقت آپہنچا۔

میں اس خیال سے رہائی کے حیلے بہانے ڈھونڈنے لگا مگر قضائے الٰہی سے فرار کہاں۔
وائے قسمت کیا مایوسی میرے عزم کی راہ روک رہی ہے ؟ نہیں نہیں حزم و احتیاط تو میری فطرت ہے۔
حقیقت تو یہ ہے کہ حوادث مجھ سے کنی کترا کر گزر جاتے ہیں اور میری ثابت قدمی کے سامنے وہ بے ہمت ہو جاتے ہیں۔

چوں کہ ہم صحافت میں ادب کے کردار پر گفتگو کر رہے ہیں، اس لیے جو کتابیں اس عرصے میں لکھی گئیں، ان پر بحث کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک عہدِ سعود کے صحافتی ادب کا تعلق ہے، وہ بہ تدریج بڑھا، پھلا پھولا اور اس کی ایک ایسی عمارت وجود میں آئی جس کو مصری، لبنانی اور دیگر عربی اور مغربی ادبا نے قدر کی نظر سے دیکھا۔ سعودی ادیبوں کو دنیا کے کونے کونے میں ادبی کانفرنسوں اور مذاکروں میں مدعو کیا جانے لگا اور وہ ادبی مقابلوں میں شرکت کرنے لگے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ سعودی ادب اور ادبا کو بیرونِ ملک متعارف کرانے میں سعودی صحافت نے بڑا کردار ادا کیا۔ سعودی اخبارات میں جس جریدے نے سب سے پہلے ادب کے پیغام کو جگہ دی وہ "ام القریٰ" ہے۔ اس اخبار نے ادب کو "اپنی گود میں جگہ دی اور اپنے سینے کو سعودی ادیبوں کے لیے وا کر دیا"۔ اس نے اعلان کیا کہ وہ اپنی ادبی کاوشوں کو جو زیادہ تر شعر، نثر اور کہانیوں کی صورت میں ہیں، اشاعت کے لیے بھیجیں۔ اخبار "ام القریٰ" ۱۳ دسمبر ۱۹۲۴ء کو معرضِ وجود میں آیا۔ اپنی پہلی اشاعتوں میں یہ جریدہ سیاسی معاملات، ملک کے اندرونی حالات اور سرکاری بیانات و اعلانات میں دلچسپی لیتا تھا۔ پھر اس نے اپنا سینہ ادبی اور تنقیدی بحثوں کے لیے

کھول دیا، چنانچہ ادیب اور مفکر حضرات اپنی ادبی بحثیں، شعری قطعات اور کہانیاں اس اخبار میں شائع کرانے لگے۔ بعد میں ہر شمارے میں ایک صفحہ ادب، مختلف فنون، ادبی مقالوں، شعری قطعات اور کہانیوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔

اب استاذ محمد سعید عبدالمقصود کے مقالہ "دراسات۔ فی الادب القدیم۔ والادب الحدیث" کا ملخص پیش کرتا ہوں جو کہ ان دنوں "ام القریٰ" کے نگران تھے۔ یہ مضمون ۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ کو شائع ہوا۔ وہ لکھتے ہیں۔ "ہم اس مقالے میں یہ بتائیں گے کہ ادبِ قدیم کیا ہے اور ادبِ جدید کیا ہے۔ ادب میں تجدید کے معنی کیا ہیں۔ ان عوامل کی پہچان کرنا جو اس پر اثر انداز ہوتے ہیں، بعض عوامل جدت کی وجہ سے ممتاز ہوتے ہیں اور بعض قدامت کی وجہ سے، اور ان اسباب کا جاننا جن میں عوامل کی کثرت ضروری ہوتی ہے حتیٰ کہ یہ عوامل فن ادب کی حقیقت میں مؤثر ثابت ہوں۔

ادب عام زندگی کا ترجمان ہوتا ہے اور اس شعور، احساس، تفکیر، گمراہی، رشد و ہدایت، بلندی و پستی، اصلاح و فساد کے اثرات کی نشان دہی کرتا ہے جو روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے ہیں۔ ادب طبعی رجحانات، معاشرے اور اس کے عقائد کی صحیح آواز ہوتا ہے۔"

جریدہ "ام القریٰ" نے اس عرصے میں کثرت سے شعری قصائد شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ پہلا عظیم شاعر الشیخ احمد ابراہیم الغزاوی، دوسرا شاعر السید احمد العربی کا ہے، جن کے قصائد اس نے شائع کیے۔ یہ دونوں قصیدے ایک مجلس کے دوران پڑھے گئے جو جدہ کے نوجوانوں نے سعودی پائلٹوں کے اوّلین گروپ کے اعزاز میں منعقد کی تھی اور یہ "ام القریٰ" ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئے۔ استاد العربی کے چند شعروں کا ترجمہ یہ ہے:

اے شاہینوں کے قائدو اور درخشاں دور کے ہراول دستو خوش آمدید۔

تم اپنے وطن کا علم بلند کیے ہوئے ہو جو عزت و شان کی علامت ہے۔

آج ہم نے زندگی اور موت کا شعور حاصل کر لیا ہے۔

یہ کتنی عمدہ بات ہے کہ ہم تہذیب و ثقافت کے عظیم اساتذہ کی اولاد ہیں، لہٰذا ترقی کی طرف گامزن رہو، ایسی ترقی جس پر زمانے کو ناز ہو۔

شاہینِ مملکت اور عوام کے شیر و ہمیشہ زندہ رہو۔

ادبی میدان میں نوجوانوں کا ایک گروہ سامنے آیا جو یونیورسٹی کی ڈگریوں اور بلند علمی درجات کا حامل تھا۔ یہ لوگ اس پہلے کارواں کے ساتھ شامل ہوگئے جس نے اس زمانے میں ادب کا پرچم اٹھا رکھا تھا اور انھوں نے اس کو مختلف ادبی اصناف یعنی نثر، شعر، حکایات سے تقویت پہنچائی۔

سعودی عہد میں جو پہلا نجی ادبی جریدہ شائع ہونا شروع ہوا وہ "صوت الحجاز" ہے۔ اس کا پہلا شمارہ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ کو منظر عام پر آیا اور کہا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں "صوت الحجاز" کا اجرا اس ادبی تحریک کو تقویت دینے میں اہم عنصر کی حیثیت بنا جو پچھلے تیس سالوں میں مملکت کے ابھرتے ہوئے ادیبوں اور انشاپردازوں نے شروع کر رکھی تھی۔ اس جریدے کے مالک استاذ محمد صالح نصیف تھے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ اخبار واقعۃً حجاز کی ادبی ترقی کی زبان ثابت ہوا اور اسے مملکت کے ادب جدید کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام حاصل ہوا، کیوں کہ یہ اس صدی کی چوتھی اور پانچویں دہائی کے بیشتر مصنفوں کے لیے ترجمان کی حیثیت رکھتا تھا اور یہ اخبار کئی ادبی معرکوں کا میدان بنا۔ یہ جریدہ ادبا اور مفکرین حضرات کی آرا اور ان کی علمی، ادبی، اجتماعی اور تنقیدی نگارشات کو پیش کرنے کے لیے ایک سٹیج ثابت ہوا۔ "صوت الحجاز"، کسی اور موضوع کے مقابلے میں ادبی معاملات میں زیادہ دلچسپی لیتا تھا۔ اس کا سبب نوجوان نسل کا اپنے ادب پاروں کی اشاعت میں جوش وخروش تھا۔ دوسری وجہ اخبار کے ذرائع تھے، خواہ وہ مقامی تھے یا بیرونی۔ کیوں کہ یہ ذرائع مواصلات کی مشکل کے باعث بہت کم تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جریدہ اپنا سینہ ادبا کے لیے کھولنے پر مجبور ہوگیا تاکہ اس کے کالم ادبی تصنیفات سے ہی بھر جائیں۔ "صوت الحجاز" کی مجلسِ ادارت کی ایک اہم شخصیت نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ کہا "میں یہ چاہتا ہوں کہ صوت الحجاز کی ضخامت میں اضافہ کر دیا جائے اور اسے ہفتے میں دو بار شائع کیا جائے یا اسے روزنامہ کر دیا جائے جس میں سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی مسائل پر بحث کی جائے اور ادب اور اس کی متعلقہ اصناف یعنی فنونِ لطیفہ کو ایک خاص رسالے تک محدود کر دیا جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ "صوت الحجاز" نے اپنے تمام شماروں میں اپنی ادبی حیثیت کو برقرار رکھا۔

یہ ادبی رسالوں کے مشابہ بھی تھا اور اخبارات کے خصائص بھی رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں یہ سعودی جوانوں کے درمیان ادبی رابطے کا کام بھی دیتا رہا۔ ہر شمارے میں سعودی شعرا کا کوئی نہ کوئی قصیدہ یا کلام ضرور شامل ہوتا تھا۔ ۱۳۵۳ھ میں شاعر احمد ابراہیم الغزاوی اور اس کے محبوب شاعر امیر الشعرا شکیب ارسلان

کے درمیان اس وقت ایک ادبی مقابلے کی صورت پیدا ہوگئی، جب شکیب ارسلان نے ایک وفد کے ہمراہ سعودی عرب کا دورہ کیا۔ استاذ الغزاوی نے ایک مجلس میں جو شیخ عبداللہ السلیمان وزیر مال نے اس کے اعزاز میں منعقد کی تھی، شکیب ارسلان کی شان میں ایک عمدہ قصیدے کی صورت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ یہ قصیدہ ۹ محرم ۱۳۵۳ھ کو شائع ہوا۔ اس قصیدے کے جواب میں فی البدیہہ ایک نظم کہی۔ یہ قصیدہ انھوں نے الشیخ عبداللہ الشبیلی کے گھر میں استاذ الغزاوی سے ملاقات کے وقت کہا اور یہ "صوت الحجاز" میں ۸ محرم ۱۳۵۳ھ کو شائع ہوا۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ کو شاعر السید عبداللہ شطا کا ایک قصیدہ "وحی الضمیر" کے عنوان سے صوت الحجاز میں شائع ہوا۔ اس نے ادب کے مستقبل کے لیے چنگاری کا کام دیا۔

دوسرا اخبار جس نے ادبی ترقی کا ساتھ دیا اور جو ادبا کی ادبی اور علمی نگارشات کی آماج گاہ بنا، جریدہ "المدینہ المنورہ" ہے۔ اس اخبار کے مالکوں اور بانیوں کے نام علی اور عثمان حافظ ہیں۔ اس کا پہلا شمارہ مدینہ منورہ میں ۲۶ محرم ۱۳۵۶ھ کو شائع ہوا۔ یہ پہلا ادبی اور سیاسی اخبار تھا جو مدینہ منورہ میں شائع ہوا، اگرچہ یہ جریدہ مقامی اور بیرونی خبروں میں دلچسپی لیتا تھا مگر پھر بھی ادبی پہلوؤں اور فکر و نقد کے موضوعات اس کے سامنے رہے۔

اس کے پہلے شمارے میں استاذ محمد حسین زیدان نے ایک مضمون لکھا تھا، جس کا عنوان تھا۔

"عرب دنیا میں ہماری ادبی حیثیت۔ ہم لکھتے کیوں نہیں"

استاذ زیدان نے ادبا کو تخلیقی مواد شائع کرنے کے بارے میں غفلت سے کام لینے پر ملامت کی اور کہا کہ "ان میں سے بعض حضرات علمی اور ادبی لحاظ سے مالا مال ہیں اور بعض ادبا باوجود اس کے کہ وہ بہت زیادہ لکھتے اور جمع کرتے جاتے ہیں، اس ڈر سے شائع نہیں کراتے کہ ہم پر تنقید کی جائے گی۔ یہی چیز ہمیں عالم عرب میں اپنا ادبی تشخص قائم کرنے میں مانع ہے۔ ان کے توجہ دلانے اور لکھنے کی وجہ سے بہت سے ادیب میدان میں آئے اور "المدینہ المنورہ" میں مختلف ادبی موضوعات پر باقاعدہ لکھنے لگے۔

ملکی ادب

استاذ محمد سعید عبدالمقصود نے جریدہ المدینہ المنورہ مورخہ ۱۸ صفر ۱۳۵۶ء میں اقلیمی ادب کے بارے میں ایک مضمون تحریر کیا۔ اس کی رائے ہے کہ ادب اپنے آپ کو معاشرے کے حالات کے مطابق ڈھال لیتا ہے اور ہر خطے کا علیحدہ ادب ہوتا ہے۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ ادب اقلیمی عصر اموی کے مظاہر میں سے

ایک مظہر ہے۔ بلا شبہ سیاسی و اجتماعی اختلافات، دینی جھگڑوں اور اقلیمی عوامل کا اس نئے واقعات کے ظاہر ہونے میں جن کا مابعد کے زمانوں نے مشاہدہ کیا، بڑا قوی اثر تھا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ شعر علم عرب ہے، اس لیے اسے سیکھو، پڑھو، خصوصاً شعر حجاز کا مطالعہ ضروری ہے۔

ادب کا ارتقا

استاذ محمد عمر توفیق نے ایک دفعہ ارتقائے ادب کے موضوع پر ایک طویل لکچر دیا تھا جو یکم ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ کے "المدینۃ المنورہ" میں شائع ہوا تھا، اس میں انھوں نے مملکت سعودی عرب میں ادب کی ترقی پر بحث کی تھی۔ انھوں نے کہا تھا کہ خطۂ حجاز ادبی ترقی میں ایک عرصے سے جو کردار ادا کرتا چلا آیا ہے اسے ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پھر انھوں نے ادب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

ایک ادب الشائی یعنی وہ ادب جس کو مطالعہ اور طویل غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسرا وہ ادب جس کا سرچشمہ علم اور گہری سوچ بچار ہوتا ہے، اس کے لیے کوشش اور سخت محنت کرنا ضروری ہے۔

اسی اخبار میں ۴ رجب ۱۳۵۶ھ کو "تعریف الادب" کے عنوان سے استاد حسین سرحان کا مضمون شائع ہوا، جس میں وہ لکھتے ہیں:

"ادب کی صحیح تعریف ابھی تک سامنے نہیں آئی جو اس کے مقصد کی طرف اشارہ کرتی ہو اور اس کے نقائص کی نشاندہی کرتی ہو۔ اگرچہ اس کی متعدد تعریفیں کی گئیں لیکن سب کی سب ناقص ہیں اور صحیح معنی ادا کرنے سے قاصر۔ اگر آپ اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے قابل ہو جائیں تو سمجھ لیں کہ آپ نے ادب کو سمجھ لیا۔"

ادب جامد

جریدہ المدینۃ المنورہ میں استاذ محمد حسن عواد اور استاد محمد عمر توفیق کے درمیان ادب جامد کے بارے میں بحث کا ایک طویل دور جاری رہا۔ استاد محمد حسن عواد کا ایک مضمون بعنوان "الادب الکاسد" یکم ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ کو جریدہ المدینۃ المنورہ میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں انھوں نے لکھا کہ نورد ہ سے جلالۃ الملک کی حجاز میں آمد کے موقع پر ان کے لیے ایک مقرر نے استقبالیہ میں "القدح المعلی" کا لفظ استعمال کیا جس سے یہ مفہوم نکلتا تھا کہ امت عرب و عوام نے جلالۃ الملک کی کوششوں کے باعث زندگی میں ترقی، خوشحالی، و برتری حاصل کی ہے۔ اس بات کو مقرر نے "القدح المعلی" سے تعبیر کیا ہے۔ اس کو عرب لوگ زمانہ قبل از اسلام میں جوے کی لکڑی کہا کرتے تھے۔ تیروں کے ذریعے گوشت کی تقسیم پر جس کو زیادہ حصہ ملتا

اس کو بھی "القدح المعلی" کہا جاتا تھا۔

وہ مزید کہتے ہیں:

کہ یہ ایسی تعبیریں ہیں جو ہماری عہدِ حاضر کی زندگی کی عکاسی و ترجمانی نہیں کرتیں، بلکہ قدیم زمانے کے عرب کی صحرائی زندگی کا تصور پیش کرتی ہیں۔ ہم زبان کے لحاظ سے عرب ہیں، ہم اس میں اپنے خون کا اضافہ تو کر سکتے ہیں لیکن ہم طرزِ بود و باش اور طرزِ غور و فکر میں جاہلی عربوں کی طرح نہیں ہیں، کیوں کہ آج کی زندگی ادب و ثقافت سے تعبیر ہے۔ جب کہ پرانے زمانے کے عربوں میں ایسا نہیں تھا۔ بعض اقوام ایسی ہیں جو آج بھی ایسی ہی زندگی بسر کر رہی ہیں، جیسے کل ان کے آبا و اجداد گزار رہے تھے۔ زندگی میں ہر چیز روبہ ترقی ہے اور ترقی کا یہ مفہوم ہرگز نہ لیا جائے کہ ارتقا ماضی کا ناسخ ہے، بلکہ ترقی کا مطلب تو یہ ہے کہ زندگی کے وسیع میدان میں اوجِ کمال تک پہنچنے کے لیے متانت اور پورے اہتمام کے ساتھ آگے کی طرف بڑھا جائے، جہاں قدح اور جدع وغیرہ کے الفاظ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ الفاظ ایسے کاغذات کی مانند ہیں جن کا عربی کے کتب خانے میں کوئی وجود نہیں، بلکہ یہ ایسے کاغذات ہیں جن کو استعمال کیا جا چکا ہے اور پھر انھیں پھاڑ کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا گیا۔ افسوس اس شخص پر ہے جو اس کو دوبارہ ٹوکری میں سے اٹھالے۔

پھر استاد محمد عمر توفیق نے اس بارے میں گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کا پہلا مضمون جواب آں غزل کے طور پر ۸ ربیع الثانی ۷۶ھ کے اخبار المدینہ المنورہ میں شائع ہوا۔

اخبار "المدینہ المنورہ" میں شعر و شاعری کے لیے بھی وسیع میدان موجود تھا۔ اس میں ممتاز شعرا کا کلام شائع کیا جاتا اور کوئی شمارہ ایسا نہ تھا جس میں کوئی قصیدہ یا منظوم قطعہ نہ ہوتا ہو۔ اخبار نے استاد احمد ابراہیم الغزاوی اور محمد حسن فقی وغیرہ شعرا کے سیکڑوں قصائد شائع کیے۔ اخبار کے پہلے شمارے میں یعنی ۱۸ اپریل ۱۹۳۷ء کو استاد السید احمد العربی کا مشہور قصیدہ "ایہ یا بدر" کے عنوان سے شائع ہوا۔ دوسرے شمارے میں استاد ضیاء الدین رجب کا شعری قطعہ منظرِ شاعت پر آیا۔

المنہل

اس مجلے کا مقصد یہ تھا کہ حجازی فنی ادب کے عصرِ جدید کا فاتح ثابت ہو اور اس مقدس ملک کی ادبی عظمت و رفعت کو واپس لا سکے جو دیگر عرب ممالک کے ہاں موجود تھی۔ المنہل کو آغاز ہی سے اپنے ملک کے ان مشہور لکھنے والوں کا تعاون حاصل رہا، جنھوں نے اس کو اہم ادبی مواد سے آراستہ کیا۔ اسی

طرح اس کو دیگر عرب اور اسلامی ممالک کے ادبا کی تحریروں کی وافر مقدار بھی میسر ہوئی۔

مجلہ المنہل نے مملکت سعودی عرب میں تاریخ آثار قدیمہ اور ادب و ثقافت کے میدان میں ایک بہت بڑے ادبی خلا کو پُر کیا۔ یہ اس قسم کے موضوعات پر ممتاز شمارے شائع کرتا ہے اور اس نے اس سلسلے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان خصوصی شماروں میں جو اس نے ادب کے بارے میں شائع کیے، ایک ثقافتی کانفرنس کے موضوع پر ہے جو جدہ میں ۱۳۸۴ھ کو ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی صدارت میں ہوئی۔ اسی طرح نومبر ۱۹۶۶ء کو ایک خاص نمبر نکالا گیا جس میں سعودی عرب کے ایک سو پچاس ادبا کے ادب اور حالاتِ زندگی کو نمایاں جگہ دی گئی۔ یہ نمبر ۳۰۶ صفحات پر مشتمل تھا جب کہ عام شمارہ کے اوراق کی تعداد چالیس ہوتی ہے۔

استاد انصاری نے اس خاص نمبر کے اداریے میں لکھا کہ "ایک سو پچاس حضرات جن کے نام حالاتِ زندگی اور ادبی نگارشات کا انتخاب پیش کیا گیا ہے، ادبی مرتبے کے لحاظ سے برابر نہیں ہیں، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اہلِ فن اور اصحابِ علم اپنے فن اور علم میں برابر ہوں۔ ادب بھی اس دائرے سے خارج نہیں ہے۔ مثلاً ابوتمام کے "الحماسہ" میں بلند پایہ شاعر اور اونچے درجے کی شاعری کے ساتھ ساتھ کمزور شاعر اور ان کے ضعیف اشعار بھی ملیں گے۔ یہی حال ثعالبی کی یتیمۃ الدہر اور یاقوت الحموی کی تالیف معجم الادبا کا ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ سعودی عرب کے ادیبوں کو (صحافت کے وجود میں آنے کے بعد) ادب کے میدان میں بہت شہرت حاصل ہوئی۔

ایک نیا ماہ نامہ رسالہ "النداء الاسلامی" کے نام سے پچاس کی دہائی میں شائع ہونا شروع ہوا۔ یہ مجلّہ دینی، معاشرتی اور تاریخی موضوعات پر بحث کرتا تھا۔ یہ دو زبانوں عربی اور ملاوی میں شائع ہوتا تھا۔ اس کی بنیاد السید مصطفیٰ اندرقیری نے رکھی تاکہ عرب اور جاوا کے لوگوں کے درمیان رابطے کا کام دے۔ اس کے چند سال بعد دو اخبار منظرِ عام پر آئے، پھر بائیس رسالے شائع ہونے لگے، اس کے بعد نیتالیس رسالے عالمِ وجود میں آئے۔ اب سعودی عرب کی صحافت کی ترقی کا یہ حال ہے کہ تہتر ادبی رسالے شائع ہوتے ہیں، ان میں انگریزی میں چھپنے والے رسالے بھی شامل ہیں۔ ان میں سے بعض اخبارات رسائل مادی یا ادبی وجوہ کی بنا پر بند ہو گئے۔ اس کے باوجود بہت بڑی تعداد اب بھی شائع ہو رہی ہے پریس نے سعودی عرب کے مختلف صوبوں میں اخبارات کی اشاعت میں بڑی مدد کی۔ بیشتر یونیورسٹیوں، تعلیمی مراکز اور مدارس نے چھوٹے پیمانے پر اخبارات و رسائل کی اشاعت کا بندوبست کیا جن میں ادبی

روح نمایاں ہوتی ہے۔ آج کے اخبار کی کامیابی کا دارومدار زیادہ تر نئی خبروں، نادر تصویروں اور جان دار تبصروں پر ہے۔

یہ سعودی صحافت میں ادب کے بارے میں ایک مختصر جائزہ ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ تیرھویں صدی ہجری کے وسط میں صحافت ادب پر اثر انداز ہو چکی تھی۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک مدرسے کی مانند تھی جس میں بہت سے ادیبوں نے فنِ تنقید اور فنِ تحریر سیکھا۔ اس زمانے میں جرائد و مجلات ہی نشر و اشاعت کا واحد ذریعہ تھے کیوں کہ اس وقت ذرائع ابلاغِ عامہ اور وسائل اطلاعات ریڈیو وغیرہ نہیں تھے۔ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا سلسلہ اس درجہ وسیع نہیں ہوا تھا جتنا آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

بلاشبہ ادیبوں کی پہلی کھیپ جس کے لیے صحافت نے اپنے صفحات پیش کیے، انھوں نے اسے اپنے وجود کو مستحکم کرنے کا بہترین ذریعہ سمجھا۔ یہ سچ ہے کہ اس سے پہلے بھی شعرا اور ادبا کی بہت بڑی تعداد موجود تھی لیکن نہ انھیں کوئی جانتا تھا اور نہ ان کے ادب پاروں کو پڑھتا تھا، بلکہ ان کی تحریریں اپنی مجالس تک ہی محدود رہتی تھیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں ادب کے چار بڑے مدارس وجود میں آئے۔ ان میں سے پہلا "ام القریٰ" تھا، دوسرا "صوت الحجاز"۔ پھر "مدینہ المنورہ" پھر "المنہل" اور "المدینہ" معرضِ ظہور میں آئے۔ ان مدارس میں وہ تربیت حاصل کرتے رہے۔ ادبی مقابلے اس زمانے کا خاصا تھا۔ تنقید نے ادبا کے فکر اور سوچ کو جھنجھوڑا اور وہ منزلِ ترقی کی طرف بڑھے۔

پروفیسر محمد سعید کی اہلیہ کا انتقال

نہایت افسوس ہے کہ ۲۸ جون ۱۹۸۲ء کو ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے ڈائریکٹر پروفیسر محمد سعید شیخ کی اہلیہ انتقال کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ کچھ عرصے سے شدید بیمار تھیں۔ وہ نیک اور صالح خاتون تھیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا کرے اور شیخ صاحب اور ان کے بچوں کو صبر کی توفیق مرحمت فرمائے۔